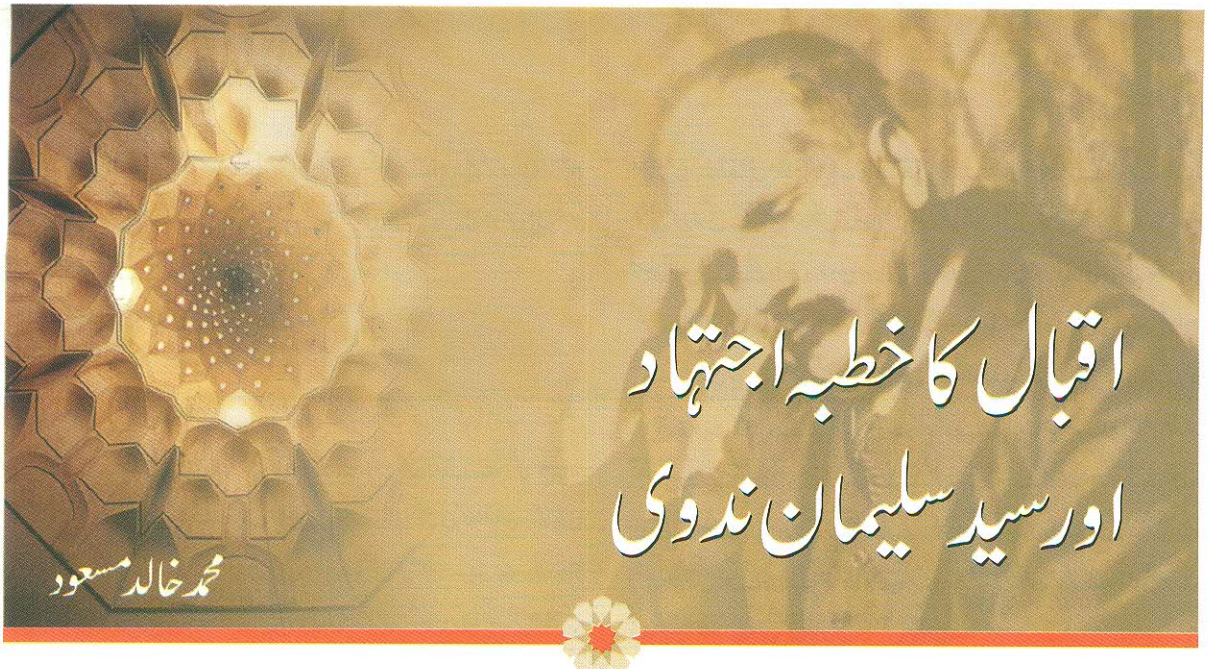

اقبال کا خطبہ اجتہاد اور سید سلیمان ندوی

محمد خالد مسعود

علامہ اقبال کے خطبہ اجتہاد پر تنقید اور بحث کا آغاز تو علامہ کی زندگی ہی میں ہوگیا تھا۔ اس کا ذکر اکبر شاہ خاں نجیب آبادی اور صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کے نام علامہ کے خطوط میں بھی ملتا ہے۔ ان ناقدین میں مولانا عبدالماجد دریا بادی بھی شامل ہیں۔ علامہ نے ۲۲ر مارچ ۱۹۲۵ء کو مولانا کو جو خط لکھا اس میں ان کے تبصرے پر تعجب اور افسوس کا اظہار کیا ہے کہ مولانا نے غالباً سرسری پڑھنے کے بعد رائے دی ہے۔ آج کل اس سلسلے میں سید سلیمان ندویؒ کا نام بھی لیا جا رہا ہے کہ وہ بھی علامہ اقبال کے اس خطبے کے حق میں نہیں تھے۔ نذیر نیازی نے لکھا ہے کہ ایک ہندوستانی عالم نے قاہرہ سے ہندوستانی مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ علامہ کے اس خطبے کی مذمت کریں، نذیر نیازی نے اس ہندوستانی عالم کا نام نہیں بتایا اور نہ ہی یہ لکھا کہ وہ قابل مذمت بات کیا تھی۔ سید سلیمان ندوی کے حلقہ احباب میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے علامہ اقبال کے سوانح اور افکار کو عرب دنیا سے روشناس کرانے کے لیے ۱۹۶۰ء میں دمشق سے روائع اقبال شائع کی۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے اقبال کامل کے نام سے اعظم گڑھ سے ۱۹۶۴ء میں علامہ کے افکار پر ایک مبسوط کتاب شائع کی۔ مولانا ابوالحسن ندوی کی کتاب روائع اقبال کا اردو ترجمہ نقوش اقبال کے نام سے ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا، تو مترجم نے حاشیے میں (صفحہ ۴۰) مولانا ابوالحسن علی ندوی کی زبانی یہ انکشاف کیا کہ سید سلیمان ندوی کہا کرتے تھے کہ کاش اقبال کی یہ کتاب (تشکیل جدید......) شائع نہ ہوئی ہوتی (نقوش اقبال، ۱۹۷۳ء) تعجب کی بات یہ ہے کہ مولانا ابوالحسن ندوی نے خود اصل کتاب میں اس بات کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس صورت میں ''روائع اقبال'' لکھنے کا جواز باقی نہیں رہتا تھا۔ اس بات کی تائید مولانا ابوالحسن ندوی کی کسی اور تحریر سے بھی نہیں ہوتی۔ ایسی باتیں عموماً کہنے والوں سے ان کی وفات کے بعد منسوب کرنے سے مشکل یہ آن پڑتی ہے کہ قائل سے ان کی تصدیق نہیں ہوسکتی۔

سید سلیمان ندویؒ کے حوالے سے آج جو باتیں کہی جا رہی ہیں وہ اس لیے بھی ناقابل اعتبار لگتی ہے کہ اقبال کے مداحوں میں سید سلیمان ندوی سرفہرست ہیں۔ دونوں کے درمیان فکری اور علمی روابط بہت گہرے تھے، سید سلیمان ندوی اقبال کی بعض آراء سے اختلاف ضرور رکھتے تھے لیکن وہ ان کا برملا اظہار کرتے تھے۔ تاہم وہ علامہ کی فکری قیادت اور علمی دیانت کے ہمیشہ معترف رہے۔ اس اعتراف کا ذکر علامہ اقبال اور مولانا ندوی کے تقریباً تمام سوانح نگاروں نے کیا ہے مثلاً جناب اختر راہی کی کتاب ''اقبال، سید سلیمان ندوی کی نظر میں'' (لاہور ۱۹۷۸ء) میں یہ تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ ۱۹۷۸ء تک یہ انکشافات سوانح نگاروں کے علم میں نہیں تھے اور اچانک اب ان کا انکشاف ہو رہا ہے۔ لگتا یوں ہے کہ ایک مخصوص فکری تحریک علامہ اقبال کے افکار کو اپنے لئے خطرہ سمجھتی ہے اس لئے ان کی تردید کے لئے سید سلیمان ندوی کی شخصیت کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ خطبہ اجتہاد کے حوالے سے مشکل یہ ہے کہ علامہ اقبال نے جو خطوط سید سلیمان ندوی کو لکھے وہ تو محفوظ ہیں لیکن سید صاحب نے جواب میں جو لکھا وہ محفوظ نہیں ہے۔ خطبے کے بارے میں سید صاحب نے کیا کہا اور علامہ کے سوالات کے کیا جواب دیئے، اس کا مأخذ یا تو علامہ کے خطوط میں درج سوالات ہیں یا وہ مختصر حاشیے ہیں، جو سید سلیمان ندوی نے علامہ کے خطوط (اقبال نامہ) کے مرتب شیخ عطاء اللہ کو یہ مکاتیب بھیجتے وقت وضاحت کے طور پر لکھے تھے۔ سید صاحب نے اپنے خطوط کی نقل نہیں رکھی تھی اور نہ ہی یہ خطوط اقبال نامہ کے مرتب کو دستیاب تھے۔ سید صاحب کے تبصرے اتنے مختصر ہیں کہ ان سے یہ نتیجہ نکالنا بہت دور کی کوڑی لانا ہے کہ وہ خطبۂ اجتہاد کو قابل مذمت سمجھتے تھے۔ ان تبصروں سے البتہ سید صاحب کے نقطۂ نظر اور ممکنہ اختلافات کا اندازہ ضرور کیا جا سکتا ہے۔ تاہم جو شخص اقبال کو ''ہندوستان کا فخر'' ''اسلامی دنیا کا ہیرو'' ''فضل و کمال کا پیکر'' ''حکمت و معرفت کا دانا'' اور ''کاروان ملت کا راہنما'' (معارف مئی ۱۹۳۸ء) سمجھتا ہو وہ اس کے افکار سے اختلاف تو کرسکتا ہے، انہیں مذموم قرار نہیں دے سکتا۔

سید سلیمان ندوی عظیم آباد پٹنہ کے ایک گاؤں دیسنہ میں ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا گھرانہ علمی اور دینی گھرانہ تھا، جو تصوف اور طب و حکمت سے شغف رکھتا تھا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم بہار کے دینی مدارس میں اور تکمیل ندوۃ العلماء لکھنو میں ہوئی، ان دنوں علامہ شبلی نعمانی ندوہ کی روح رواں تھے۔ سید صاحب نے بہت جلد ان کے مقرب شاگرد کا مقام حاصل کرلیا۔ ۱۹۰۶ء میں سند فضیلت حاصل کی تو دارالعلوم ندوہ سے ہی وابستہ ہوگئے۔ تصنیف و تالیف میں شبلی کا ہاتھ بٹانے لگے۔

لیکن بتدریج شبلی نعمانی کے افکار سے اختلاف بڑھتا گیا، ان دنوں مولانا ابوالکلام آزاد نے الہلال کی ادارت شروع کی تھی، ان کے پاس کلکتہ چلے گئے یہاں بھی مزاج کا اختلاف آڑے آیا تو پونہ چلے گئے۔ ۱۹۱۴ء میں اعظم گڑھ میں انہوں نے تصنیف وتالیف کا ادارہ دارالمصنفین قائم کیا اور ماہنامہ معارف کا اجراء کیا۔ یہی معارف علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی کے درمیان علمی تعلقات کا رابطہ بنا، سید صاحب کا خاص موضوع تاریخ تھا، جو شبلی نعمانی کی زیر تربیت پروان چڑھا تھا۔ فکر و فلسفہ اور فقہ وکلام ان کے خاص موضوع نہیں تھے، تاہم کثرت مطالعہ کی وجہ سے ان مسائل پر بھی گہری نظر تھی۔ البتہ جیسا کہ اختر راہی نے لکھا ہے (اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں ص ۲۲) ان موضوعات پر سید صاحب نے بہت کم لکھا۔ ان مباحث پر کام کے لیے وہ مولانا عبدالسلام ندوی (۱۹۵۶ء) سے مدد لیتے تھے۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے علامہ خضری کی تاریخ تشریع اسلامی کا اردو ترجمہ کیا اور حکمائے اسلام پر دو جلدوں میں کتاب ترتیب دی۔ گمان غالب یہی ہے کہ خطبہ اجتہاد کی تحریر کے دوران علامہ نے فقہ اور اصول فقہ کے بارے میں جو سوالات سید صاحب سے پوچھے تھے، ان کے جوابات میں مولانا عبدالسلام ندوی نے ہی معاونت کی ہوگی۔

سید صاحب کی علامہ اقبال سے ملاقات ۱۹۲۷ء میں ہوئی، لیکن اس دوران سید سلیمان ندوی علامہ اقبال کی تصنیفات پر معارف میں مسلسل تبصرے لکھتے رہے تھے۔ سید صاحب کی اقبال کی شاعری پر تنقید زیادہ تر زبان و بیان کے حوالے سے رہی۔ رموز بیخودی پر تبصرہ کرتے ہوئے سید صاحب کو شکایت تھی کہ اقبال کی زبان اشکال پسند اور ترکیب آفرین واقع ہوئی ہے..... الفاظ اور محاوروں کی ظاہری صحت کی پروا نہیں کرتے۔ اس شکوے کے باوجود سید صاحب کے بقول اقبال اپنے مخاطب کے احساسات پر مذہب، فلسفے، تصوف اور شاعری ہر راہ سے حملہ کرتے ہیں اور اس لیے وہ اختلاف مذاق کے باوجود ان مختلف راہوں میں سے کسی ایک سے بھی بچ کر نکل نہیں سکتا۔ بال جبریل کے بارے میں لکھا کہ ''زبان میں غزل کی سی شیرینی تو نہیں مگر قصائد کی سی جزالت اور متانت پوری طرح موجود ہے''۔

سید سلیمان ندوی نے زبان اور محاورات کے بارے میں جو اعتراضات کیے تھے، ان کے بارے میں علامہ نے تفصیل سے جواب دیا اور فارسی شعراء کے نظائر پیش کیے جو غالباً سید صاحب کی نظر سے نہیں گزرے تھے۔ اردو میں بھی بہت سی ترکیبوں اور محاوروں پر جہاں سید صاحب نے ان کے اصل عربی مادوں کی بناء پر اعتراض کیے تھے، ان کے بارے میں بھی علامہ نے نظائر پیش کیے اور اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ علامہ کی ایجاد کردہ تراکیب خود اردو زبان کا سرمایہ بن چکی ہیں۔ مثال کے طور پر سید صاحب کو مینار کے لفظ پر اعتراض تھا کہ اصل لفظ منار ہے۔ آج اردو میں مینار کا لفظ زیادہ معروف اور مستعمل ہے۔

سید صاحب کی اپنی تصنیفی اور علمی سرگرمیوں اور خصوصاً معارف کی ادارت کی مصروفیات کو ذہن میں رکھیں تو کوئی تعجب نہیں ہوتا کہ وہ مسائل حاضرہ کے بارے میں تفصیل طلب مسائل میں اپنے عملے کی معاونت سے کام لیتے ہوں۔ ۱۹۳۸ء میں انہوں نے ڈاکٹر اقبال کا علم کلام کے نام سے ایک مقالہ پڑھا تو اس پر سید سلیمان ندوی کے نام کے ساتھ مولانا عبدالسلام ندوی کا نام بھی درج ہے۔ مقالے کے ابتدائیے اور مندرجات کے بارے میں بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مقالہ اصل میں کس کی تحریر ہے۔ اس مقالے میں علم کلام کی تعریف میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ اس علم کا نام ہے، جس میں اسلامی عقائد کو دلائل عقلیہ سے ثابت کیا جاتا ہے۔ علامہ شبلی کی الکلام اور علم الکلام کی روشنی میں علم کلام کی یہ تعریف بہت تشنہ ہے اور شبلی کے جانشین سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ شبلی کے مباحث سے ناواقف رہے ہوں گے۔

مقالہ اجتہاد کی تیاری میں علامہ اقبال نے جن متعدد علما سے خط و کتابت اور مشاورت کی ان میں سید سلیمان ندوی بھی شامل ہیں، سید صاحب سے کئی مسائل پر مشورہ کیا گیا۔ ہم یہاں صرف ایک استفسار پر اکتفا کریں گے۔

اجتہاد کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ اجماع کی حیثیت کا تھا کہ آیا اجماع قران وسنت کے حکم کو منسوخ کر سکتا ہے؛ اس سلسلے میں جو کتابیں سامنے تھیں ان میں سے ایک اغنی دیس کی کتاب تھی اور اس نے اسلامی قانون خصوصاً مسئلہ اجتہاد کے بارے میں جو بہت سے نکات اٹھائے تھے علامہ نے ان کی طرف خاص طور پر توجہ دی

> نذیر نیازی نے لکھا ہے کہ ایک ہندوستانی عالم نے قاہرہ سے ہندوستانی مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ علامہ کے اس خطبے کی مذمت کریں، انہوں نے اس ہندوستانی عالم کا نام نہیں بتایا اور نہ ہی یہ لکھا کہ وہ قابل مذمت بات کیا تھی۔

تھی اور ان میں سے جن کو حقائق کے خلاف پایا ان کی تردید بھی کی تھی۔ اجتہاد کے میکانکی ہونے کا نظریہ بھی اغنی دیس نے پیش کیا تھا جسے علامہ اقبالؒ کے ذہن نے قبول نہیں کیا۔ اس کے بارے میں انہوں نے خود تحقیقات کیں۔ اصول کی کتابوں کا مطالعہ کیا، علماء اور فقہا سے خط و کتابت کی اور اس کے بعد کسی نتیجے پر پہنچے۔

اغنی دیس نے نسخ کے مسئلے پر فقہاء کی آراء کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

''جہاں تک اجماع کا تعلق ہے بعض حنفی اور معتزلی فقہا کے نزدیک اجماع قرآن اور سنت کو منسوخ کر سکتا ہے۔ تاہم جمہور فقہا کے نزدیک ایسا ممکن نہیں کیونکہ اجماع اتفاق آراء کا نام ہے اور آراء احکام شرعیہ کے بقا کا وقت متعین نہیں کر سکتیں۔ علاوہ ازیں اگر اجماع محمدؐ کے بعد کا ہے تو اس پر سب متفق ہیں کہ رسولؐ اللہ کے بعد قرآن میں نسخ واقع نہیں ہو سکتا اور اجماع محمدؐ کے زمانے میں ہوا تو یہ اجماع نہیں کہلا سکتا جب تک رسولؐ اللہ کی رائے اس میں شامل نہ ہو، اگر ایسا ہو تو یہ اجماع نہیں بلکہ سنت کہلائے گا۔''

آگے چل کر اس نے وضاحت بھی کی کہ اجماع قرآن اور سنت کے معارض بھی نہیں ہو سکتا۔

''اجماع اور دلیل قطعی یعنی قرآن اور سنت میں تعارض واقع نہیں ہوسکتا کیونکہ ان دلائل کی مخالفت کی صورت میں اجماع صحیح نہیں ہوگا۔''

علامہ نے ۱۸/اگست ۱۹۲۴ء کو مولانا سید سلیمان ندوی کو خط لکھتے ہوئے اس مصنف کے حوالے سے سوال پوچھا کہ آیا اجماع اُمت نص قرآنی کو منسوخ کرسکتا ہے؟ لکھتے ہیں:

''حال میں امریکہ کی مشہور یونیورسٹی کولمبیا نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے ''مسلمانوں کے نظریات متعلقہ مالیات'' اس کتاب میں لکھا ہے کہ اجماع اُمت نص قرآنی کو منسوخ کرسکتا ہے۔ یعنی یہ کہ مثلاً عدت شیر خوارگی جو نص صریح کی رو سے دو سال ہے کم یا زیادہ ہوسکتی ہے یا حصص شرعی میراث میں کمی بیشی کرسکتا ہے۔ مگر اس نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ آپ سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ آیا مسلمانوں کے فقہی لٹریچر میں کوئی ایسا حوالہ موجود ہے؟''

اگرچہ اغنی دلیس نے وضاحت کردی تھی کہ جمہور کے نزدیک اجماع نص قرآنی کو منسوخ نہیں کرسکتا تاہم علامہ اقبالؒ کو اس پر بھی تشویش تھی کہ بعض حنفی اور معتزلی فقہا کے نزدیک بھی ایسا کیسے ممکن ہوا؟ ان کا خیال تھا کہ مصنف نے یہ بات کسی

معتزلہ ہی نہیں بعض مشہور حنفی فقہا کے نزدیک بھی اجماع نص قرآنی کا ناسخ ہو سکتا ہے۔

حوالے کے بغیر کہہ دی ہے۔ اغنی دلیس نے اس اقتباس کا تو حوالہ نہیں دیا لیکن جیسا کہ دوسرے حواشی سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ساری بحث حنفی امام بزدوی کے حوالے سے کر رہے تھے۔ علامہ اقبالؒ کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے اس کی توثیق کرنا چاہتے تھے اس لیے مولانا ندوی سے دریافت کیا۔

مولانا ندوی نے حاشیے میں جو جواب لکھا ہے اس میں ''امریکی'' مصنف کو سرے سے غلط قرار دیا وہ فرماتے ہیں:

''اجماع سے نص قرآن کے منسوخ ہونے کا کوئی قائل نہیں۔ امریکی مصنف نے غلط لکھا ہے آمدی الاحکام میں لکھتے ہیں مذهب الجمهور ان الاجماع لا ينسخ به خلافا بعض المعتزلة (ج ۳، ص ۲۲۹) بعض معتزلہ ایسا کہتے تھے مگر ان کی رائے مقبول نہیں ہوسکی۔ آمدی نے حصہ شرعی کے ایک خاص مسئلہ کے باب میں ایک حوالہ نقل کیا ہے پھر اس کا جواب دے دیا ہے اس سے امریکی مصنف کا استدلال غلط محض ہے۔''

مولانا ندوی نے تفصیلی جواب میں کیا لکھا ہوگا اس کا کچھ اندازہ تو اس حاشیے سے ہوتا ہے اور کچھ اس خط سے جو علامہ اقبالؒ نے جواب میں لکھا۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آمدی کے حوالے سے مولانا ندوی نے مسئلے کی وضاحت کی تھی، دوسرے مولانا نے غالباً یہ وضاحت فرمائی تھی کہ اجماع نص قرآنی کو منسوخ نہیں کر سکتا البتہ اس کی تخصیص کرسکتا ہے۔ آمدیؒ کی کتاب علامہ اقبالؒ کو ابھی تک مل نہیں سکی تھی۔ چنانچہ اقبال نے جوابی خط میں تخصیص و تعمیم کی وضاحت کے لیے لکھا تھا۔ اس خط کے اگلے ہی روز یعنی ۱۹/اگست ۱۹۲۴ء کو اس سوال کا تفصیلی جواب ارشاد الفحول میں مل گیا اس لیے مولانا کو لکھا کہ اس کے علاوہ باقی سوالات کا جواب عنایت فرمائیں۔ وہ باقی سوالات یہ تھے۔

''دیگر آپ کا ارشاد ہے کہ اگر صحابہ کا کوئی حکم نص کے خلاف ہے تو اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ کوئی ناسخ حکم ان کے علم میں ہوگا جو ہم تک روایتہً نہیں پہنچا دریافت طلب امر یہ ہے کہ کوئی حکم ایسا بھی ہے جو صحابہ نے نص قرآن کے خلاف نافذ کیا ہو اور وہ کون سا حکم ہے''۔

''یہ بات کہ کوئی ناسخ حکم ان کے علم میں ہوگا محض حسن ظن پر مبنی ہے یا آج کل کی قانونی اصطلاح میں ''لیگل فکشن'' ہے علامہ آمدیؒ کے قول سے تو بظاہر امریکن مصنف کی تائید ہوتی ہے گو صرف اسی حد تک اجماع صحابہؓ نص قرآنی کے خلاف ہو سکتا تھا، بعد کے علما ایسا نہیں کرسکتے کیونکہ ان کے علم میں کوئی ناسخ حکم نہیں ہوسکتا''۔

''اگر صحابہؓ کے اجماع نے کوئی حکم نص قرآنی کے خلاف نافذ کیا تو علامہ آمدیؒ کے خیال کے مطابق ایسا کسی ناسخ حکم کی بنا پر ہوا ہے وہ ناسخ حکم سوائے حدیثِ نبوی کے اور کچھ نہیں ہوسکتا اس سے معلوم ہوا کہ حدیث ناسخ قرآن ہوسکتی ہے جس سے کم از کم مجھے تو انکار ہے اور غالباً آپ کو بھی ہوگا''۔

مولانا ندوی نے پہلے سوال کے جواب میں حاشیے میں لکھا ہے کہ ''ایسا کوئی حکم نہیں اور نہ نص قرآن کے خلاف کوئی حکم صحابہؓ نے دیا ہے۔''

اس خط و کتابت میں بات ایک حوالے کی تلاش سے چلی تھی۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں فقہ اور اصول فقہ سید سلیمان ندوی کا میدان نہیں تھا اس لیے فوری طور پر انہیں حنفی اصول کی معروف کتاب اصول بزدوی اور اس کی شرح کا خیال نہیں آیا اور نہ ہی انہوں نے اس ''امریکی مصنف'' کی اصل عبارت جاننے کی کوشش کی۔ اول تو یہ ''امریکی'' مصنف جیسا کہ اس کی کتاب سے متعلقہ اقتباس سے واضح ہے اجماع کے ناسخ قرآن ہونے پر استدلال نہیں کر رہا تھا۔ دوسرے اس نے علامہ آمدیؒ کا حوالہ قطعاً نہیں دیا تھا اور نہ ہی اس سے استدلال کیا تھا۔

جہاں تک اصل مسئلے کا تعلق ہے سید صاحب کا یہ کہنا کہ ''اجماع سے نص قرآن کے منسوخ ہونے کا کوئی قائل نہیں ظاہر کر رہا ہے کہ اسی مسئلے پر حنفی اصول کی مباحث ان کی نظر سے نہیں گذری تھیں۔ اس کی تفصیل ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ مولانا نے آمدی سے جو حوالہ دیا ہے وہ بھی مکمل نقل نہیں کیا ورنہ وہ یہ فرماتے کہ محض معتزلہ اس کے قائل تھے آمدیؒ نے لکھا ہے۔

مذهب الجمهور ان الاجماع لا ينسخ به خلافا لبعض المعتزلة وعيسىٰ بن ابان

بعض معتزلہ اور عیسیٰ بن ابان کے برعکس اکثریت کا مذہب یہ ہے کہ اجماع ناسخ نہیں

آمدی نے معتزلہ کے ساتھ مشہور حنفی فقیہ عیسیٰ بن ابان کا نام بھی لیا ہے۔

دوسرے ''جمہور'' سے مُراد اکثریت ہے۔اس سے یہ معنی ممکن نہیں کہ ''کوئی اجماع کے ناسخ ہونے کا قائل نہیں۔'' تیسرے سید صاحب کا یہ فرمانا بھی صحیح نہیں کہ آمدی نے یہ حوالہ حصۂ شرعی کے خاص مسئلہ کے باب میں نقل کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ آمدی کی کتاب میں اس باب کا موضوع نسخ ہے اور یہ مسئلہ اس باب کی چوتھی فصل کا جو نسخ کی شروط سے بحث کرتی ہے بارہواں مسئلہ ہے۔اس کا تخصیص وتعمیم کی بحث سے بھی تعلق نہیں۔

مسئلے کی وضاحت کے لیے ہم حنفی اصولِ فقہ کی معروف کتاب کشف الاسرار سے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔تقسیم الناسخ کے باب میں علامہ بزدوی کے شارح علامہ عبدالعزیز بخاری فرماتے ہیں:

الاجماع یجور تاسخا للکتاب و السنة والاجماع عند بعض مشائخنامنهم عیسیٰ بن ابان و الیه ذهب بعض المعتزلة تمسکوا بماروی ان عثمان رضی الله عنه لما حجب الام عن الثلث الی السدس باخوین قال ابن عباس رضی الله عنهما کیف تحجبها باخوین و قد قال الله تعالیٰ فان کان له اخوة فلامه السدس والاخوان لیسا باخوة فقال حجبها قومک یا غلام فدل علی جواز نسخ بالاجماع و بان المؤلفة قلوبهم سقط نصیبهُم من الصدقات بالاجماع المنعقد فی زمان ابی بکر رضی الله عنه و بان الاجماع حجة من جحج الشرع موجبة للعلم کالکتاب و السنة فیجوز ان یثبت النسخ به کالنصوص الاتری انه اقوی من الخبر المشهور و النسخ بالخبر المشهور جائز حیث جازبه الزیادة علی النص الیّمی نسخ قبالا جماع اولی.

ہمارے بعض مشائخ کے نزدیک جن میں عیسیٰ بن ابان شامل ہیں اجماع کتاب، سنت اور اجماع کا ناسخ ہوسکتا ہے بعض معتزلہ نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے۔انہوں نے اس روایت سے سند لی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے دو بھائیوں کی موجودگی کی وجہ سے ماں کا حصہ ایک تہائی کی بجائے چھٹا کر دیا تو حضرت ابن عباسؓ نے دریافت فرمایا کہ جب قرآن کا حکم ہے کہ کئی بھائی ہوں تو ماں کا حصہ چھٹا ہوگا تو آپ نے ماں کا حصہ کیسے کم کر دیا جب کہ دو بھائی کئی بھائی (بھائی کی جمع) نہیں ہیں۔حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اے لڑکے تیری قوم نے اس کا حصہ کم کر دیا۔اس روایت کو اجماع کے ناسخ ہونے کے جواز کی دلیل کہا گیا۔دوسرے یہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جو اجماع منعقد ہوا اس کی رو سے صدقات میں سے مؤلفین قلوب کا حصہ ختم کر دیا گیا تیسرے یہ کہ اجماع شرع کے ان دلائل اور حجتوں میں سے ہے جو کتاب اور سنت کی طرح علم کا وجوب بہم پہنچاتی ہیں چنانچہ نصوص کی طرح اس سے بھی نسخ جائز ہے۔کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اجماع مشہور خبر سے زیادہ قوی ہے جب خبر مشہور سے نسخ جائز ہے جیسا کہ اس کی بنا پر نص پر اضافہ کیا جاسکتا ہے جو نسخ کی ایک شکل ہے، تو اجماع تو اس سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ ہی نہیں بعض مشہور حنفی فقہا کے نزدیک بھی اجماع نص قرآنی کا ناسخ ہوسکتا ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے اجماع صحابہ کی بعض مثالوں سے استدلال کیا تھا۔تاہم یہ سارے حنفی فقہاء کی رائے نہیں تھی۔ چنانچہ علامہ عبدالعزیز بخاری نے آگے چل کر وضاحت کر دی کہ

و عند جمهور العلماء لا یجوز النسخ به لان الاجماع اجتماع الآراء فی شئ ولا مجال للسرٰی فی محرئة نهایة وقت الحسن و القبح فی الشیٔ عندالله تعالیٰ ثم اوان المخ حال حیوة رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تفاقنا علی ان لا نسخ بعده و فی حال حیوة ما کان ینعقد الا جماع بدون رأیه دکان الرجوع الیه فرضا واذا وجد البیان منه فالموجب للعلم قطعا هو البیان المسموع منه و انما یکون الاجماع موجبا للعلم بعده و لا نسخ بعده فعرفنا ان النسخ بدلیل الاجماع لا یجوز

اکثر علما کے نزدیک اجتماع سے نسخ جائز نہیں کیونکہ اجماع آراء کے کسی چیز کے بارے میں اجماع کا نام ہے۔رائے کا یہ میدان نہیں کہ اسے اس وقت کی نہایت کا علم ہو جس کے بعد اللہ کے نزدیک کسی چیز کی اچھائی یا برائی ختم ہو جاتی ہے۔پھر یہ کہ نسخ کا زمانہ رسولؐ اللہ کی حیات کے دوران ہی ہے کیونکہ ہمارا اس پر اتفاق ہے کہ آپؐ کے بعد نسخ نہیں ہوسکتا۔اب جہاں تک آپؐ کے حیات کے دوران اجماع کا تعلق ہے وہ آپؐ کی رائے کے بغیر نہیں ہوسکتا کیونکہ آپؐ کی طرف رجوع لازمی تھا۔اگر رسول اللہ کی جانب سے ایسا بیان اور وضاحت موجود ہے تو وہ قطعی طور پر علم کے لیے وجوب کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ وہ ایسا بیان ہے جو آپؐ سے سنا گیا۔آپؐ کے بعد اجماع علم کے لئے لازمی ہے حالانکہ آپؐ کے بعد نسخ ممکن نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اجماع کی دلیل کی بنا پر نسخ جائز نہیں۔

ان اقتباسات کا اغنی دیس کی عبارت سے موازنہ کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اغنی دیس کا بیان کشف الاسرار پر مبنی ہے۔اس کے علاوہ اغنی دیس نے اگرچہ اس مخصوص پیرے کے لیے حوالہ نہیں دیا لیکن اس سے پہلے اور بعد کے بیانات کے لیے اکثر و بیشتر کشف الاسرار کے حوالے دیئے ہیں اس مسئلے کا ذکر محض کشف الاسرار میں ہی نہیں حنفی فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ان کے علاوہ علامہ آمدیؒ کی الاحکام، قاضی شوکانی کی ارشادالفحول میں بھی اس کی تفصیل آتی ہے۔

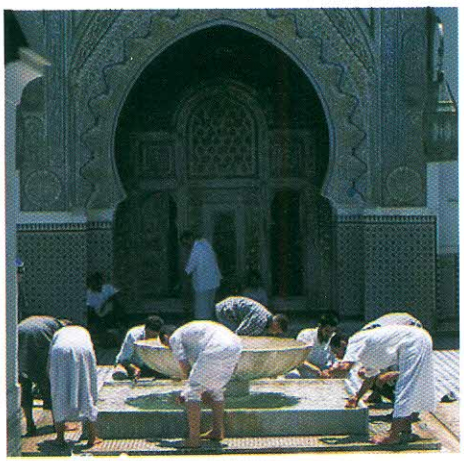

شافعی فقہا اگرچہ اجماع کے ناسخ ہونے کے قائل نہیں تاہم ابواسحٰق الشیرازی (م۱۰۷۶ء) نے اس کی بنیاد پر استدلال کو جائز قرار دیا ہے۔

و اما النسخ بالاجماع فلا یجوز ..... و لکن یستدل بالاجماع علی النسخ فان الامة لا تجتمع علی الخطاء فاذا رأینا هم قد اجمعوا علی خلاف ماورد به الشرع و لنا علی انه منسوخ

جہاں تک اجماع کے ناسخ ہونے کا تعلق ہے یہ جائز نہیں.....لیکن اجماع سے نسخ پر استدلال کیا جاسکتا

ہے کیونکہ امت غلطی پر جمع نہیں ہوسکتی اگر ہم دیکھیں کہ وہ کسی ایسی بات پر جمع ہوگئے ہیں جو اس کے خلاف ہے جو شرع میں وارد ہوا ہے تو ہمارے لیے یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ وہ حکم منسوخ ہے۔

ان اقتباسات سے یہ ثابت کرنا مقصود نہیں کہ اجماع نص قرآنی کو منسوخ کر سکتا ہے کیونکہ یہ رائے محض چند فقہا کی تھی اور وہ بھی غالباً صحابہؓ کے اجماع کے بارے میں ہوسکتی ہے۔ اور جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے کہا کہ اس بحث کی افادیت محض علمی ہے کیونکہ آج کے مسلمانوں کے ہاں یہ کوئی حقیقی مسئلہ نہیں ہے۔ تاہم اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ صرف معتزلہ نہیں حنفی فقہا میں بھی اس مسئلے پر اختلاف رائے موجود ہے۔ سید سلیمان ندوی نے ان اختلافات کو سرے سے نظر انداز کرتے ہوئے کہا کہ فقہا میں سے کوئی اس کا قائل نہیں یہ بات ان کو سزاوار نہیں تھی۔ اس کا ایک ناخوشگوار نتیجہ یہ نکلا کہ سید صاحب کے اس غیر محتاط بیان نے علامہ اقبالؒ کے خطبے میں نہایت ہی مبالغہ آمیز صورت اختیار کر لی۔ علامہ نے لکھا:

کیا اجماع نص قرآنی کو منسوخ کر سکتا ہے؟ مسلمان سامعین کے سامنے یہ سوال اٹھانا غیر ضروری ہے لیکن میں ایسا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ ایک یورپی نقاد نے اپنی کتاب محمڈن تھیوریز آف فنانس میں جو کولمبیا یونیورسٹی نے شائع کی ہے یہ گمراہ کن بیان دیا ہے اس کتاب کا مصنف کسی حوالہ یا سند کے بغیر کہتا ہے کہ بعض حنفی اور معتزلی مصنفوں کے نزدیک اجماع قرآن کو منسوخ کر سکتا ہے۔ اسلام کی فقہ کی کتابوں میں ایسے بیان کا ذرا سا بھی جواز نہیں ملتا۔ نبی اکرمؐ کی حدیث بھی یہ اثر نہیں رکھتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو ہمارے قدیم فقہا کے ہاں نسخ کی اصطلاح سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ جیسا کہ امام شاطبی نے الموافقات جلد ۳ ص ۶۵ پر وضاحت کی ہے کہ جب یہ لفظ صحابہ کے بارے میں بولا جائے تو اس سے مراد کسی قرآنی حکم کے اطلاق کی تعمیم یا تخصیص ہوتی ہے۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہوتے کہ یہ کسی دوسرے حکم کو منسوخ کر سکتا ہے۔

اس مختصر سے مضمون سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ سید سلیمان ندوی اور علامہ اقبال کے درمیان جب گہرے علمی روابط تھے اور علامہ اقبال جس طرح سید صاحب کی رائے پر اعتماد کرتے تھے کہ وہ اپنی تحقیقات اور ذاتی پسند و ناپسند کو بھی ترک کر دیتے تھے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ سید سلیمان ندوی علامہ اقبال کی آراء اور تحقیقات کو جزوی یا کلی طور پر قابل مذمت سمجھتے تھے۔

○ ڈاکٹر خالد مسعود اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ہیں۔

اجتہاد اور امت مسلمہ

میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطہ نگاہ سے زمانہء حال کے "جورس پروڈنس" پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔ قریباً تمام ممالک میں اس وقت مسلمان یا تو اپنی آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں یا قوانین اسلامیہ پر غور و فکر کر رہے ہیں۔(سوائے ایران و افغانستان کے) مگر ان ممالک میں بھی امروز و فردا یہ سوال پیدا ہونے والا ہے، مگر افسوس ہے کہ زمانہ حال کے اسلامی فقہا یا تو زمانہ کے میلان طبیعت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا ہیں۔ ایران میں مجتہدین شیعہ کی تنگ نظری اور قدامت پرستی نے بہاء اللہ کو پیدا کیا جو سرے سے احکام قرآن کا منکر ہے۔ ہندوستان میں عام حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کے تمام دروازے بند ہیں۔ میں نے ایک بہت بڑے عالم کو یہ کہتے سنا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی نظیر نا ممکن ہے غرض کہ یہ وقت عملی کام کا ہے کیونکہ میری رائے ناقص میں مذہب اسلام اس وقت گویا زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید تاریخ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔

(اقبال بنام صوفی غلام تبسم۔۔۔۲ ستمبر ۱۹۲۵ء)